وسعتیں بڑھانے کی دعا کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ / اگست ۱۹۸۳ء بمقام مسجد احمدیہ مارٹن روڈ کراچی)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۷﴾

(البقرۃ: ۲۸۷)

اور پھر فرمایا:

قرآن کریم انذار اور تبشیر کے تانے بانے سے بنی ہوئی ایک عجیب وغریب صنعت ہے کہ اس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ بعض اوقات یہ تانا بانا نمایاں طور پر نظر آتا رہتا ہے۔ اب تبشیر شروع ہوئی اور اب انذار کا دھاگا آ گیا اور بعض اوقات یہ بنتی اتنی باریک ہو جاتی ہے کہ ظاہری نظر اس کا فرق نہیں کر سکتی اور بعض اوقات ایک ہی آیت میں انذار اور تبشیر دونوں اس طرح مل جاتے ہیں کہ گویا ایک دوسرے کے اندر جذب ہو جاتے ہیں اور کامل طور پر ان کا اتحاد نظر کو عجیب لگتا ہے۔ یہ آیت جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس بات کی مثال ہے جو میں بیان کر رہا ہوں۔

انسان جب ان عظیم ذمہ داریوں پر نگاہ ڈالتا ہے جو اس پر ڈالی جاتی ہیں تو خواہ وہ کسی منصب سے تعلق رکھتا ہو کسی حیثیت کا انسان ہو اگر وہ باشعور ہے اور اپنے حالات کا جائزہ لینے کی اہلیت رکھتا ہے اور بصیرت رکھتا ہے تو اس کا جواب ہمیشہ یہی ہوگا کہ میں ان ذمہ داریوں کا حق ادا کرنے کا اہل نہیں ہوں اور یہ ذمہ داریاں میری طاقت سے بڑھ کر ہیں۔ ایک زمیندار خواہ مزارع ہو یا مالک ہو وہ بھی نہ زمین کے تقاضے پورے کر سکتا ہے جو بحیثیت زمیندار اسے پورے کرنے چاہئیں۔ اور اگر وہ اہلیت رکھتا بھی ہو تو بہت سی چیزیں اس کے اختیار میں نہیں ہیں اور بے بس ہو جاتا ہے۔ ایک مزدور اپنی مزدوری کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا، تعمیراتی کام کا ایک نگران تعمیر کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا، غرض یہ کہ اس سے بحث نہیں کہ کسی پر کتنی بڑی ذمہ داری ڈالی گئی یا کتنی چھوٹی، انسان ایک بے بس چیز ہے بے اختیار چیز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہر ذمہ داری جو انسان پر ڈالی جاتی ہے وہ اسے طاقت سے بڑھ کر معلوم ہوتی ہے۔ دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور انسان سوچتا ہے کہ یہ ذمہ داری کیسے ادا کروں گا۔ دوسری طرف قرآن کریم کی اس آیت پر نظر پڑتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک عظیم الشان خوشخبری دی جارہی ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کہ اللہ تو کسی جان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا اور اس کی انسان کے پاتال تک نظر ہے۔ وہ اپنی ہر تخلیق کی کنہ تک واقف ہے، اپنی ہر تخلیق کی کمزوریوں سے بھی واقف ہے اور اس کے ان پہلوؤں سے بھی واقف ہے جو بطور خوبیاں ودیعت کی گئیں۔ ان دونوں پہلوؤں پر جس علیم وخبیر ہستی کی نظر ہو اگر وہ یہ کہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اللہ کسی نفس پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا تو یہ ایک عظیم الشان خوشخبری ہے اور گویا یہ پیغام ہے کہ تمہیں بوجھ زیادہ نظر آرہے ہیں حقیقت میں زیادہ بوجھ نہیں تمہاری وسعت کے مطابق ہیں۔

یہاں ایک فرق کرنا ضروری ہے ورنہ احباب کے ذہن میں مضمون الجھ جائے گا۔ فرق یہ ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ انسان دوسرے انسان پر طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ بھی نہیں فرمایا کہ انسان اپنے اوپر اپنی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا کیونکہ یہ دونوں واقعات دنیا میں ہمیں روزانہ دکھائی دیتے ہیں۔ بسا اوقات انسان دوسرے انسانوں پر ان کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈال دیتا ہے یہاں تک کہ وہ ان بوجھوں تلے ٹوٹ جاتے ہیں اور تب بھی کام کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ بعض اوقات

انسان اپنی جان پر اپنی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈال لیتا ہے۔ یہاں اس عام انسانی کیفیت اور حالات کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے کہ میں کسی انسان پر یا کسی جان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ وہ انسان جو دوسروں پر طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے اور یہ ادعا کرتے ہیں کہ ہم طاقت کے مطابق بوجھ ڈالتے ہیں، وہ بھی دراصل اپنے ادعا میں خام ہوتے ہیں، ان کے دعویٰ کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی کیونکہ جب تک کوئی یہ جائزہ لینے کا اہل نہ ہو کہ اس کی طاقت کیا ہے اس وقت تک وہ یہ دعویٰ کر ہی نہیں سکتا کہ میں طاقت کے مطابق بوجھ ڈالتا ہوں یا طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اشتراکیت کا ایک نعرہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق دو اور اس کی طاقت کے مطابق اس سے کام لو۔ یہ دونوں نعرے اسی پہلو سے کھوکھلے ہیں کہ ہر انسان کا مزاج، اس کی اندرونی کیفیات، اس کا ماحول، اس کے ماں باپ کے مزاج کے اثرات، اس کی اپنی بعض کمزوریا بعض مضبوط پہلو یہ سارے مل کر اس کی ایک شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں اور یہ جو شخصی تعمیر ہے یہ ضرورت کا فیصلہ کرتی ہے کہ اس کی ضرورت کیا ہے اور انسان کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی دوسرے انسان کی ضرورت کی تعیین کر سکے صرف خدا کے لئے ممکن ہے۔ اور اسی طرح جب کہتے ہیں کہ طاقت کے مطابق کام لو تو ہر ایک کی طاقت کا فیصلہ کرنا ہر ایک کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ مختلف مزاج کے لوگ ہیں ان کے مختلف حالات ہیں۔ بعض اندرونی کمزوریاں ہیں بعض دفعہ انسان کہتا ہے کہ مجھے بڑی سخت کمزوری ہوگئی ہے اور دوسرا آدمی کہتا ہے کہ بکواس کر رہا ہے جھوٹ بولتا ہے بہانے کر رہا ہے اس کو ہرگز کوئی کمزوری نہیں اس کے اوپر بوجھ ڈالنا چاہئے۔ اب ہوسکتا ہے کوئی اسے ظالم سمجھے لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسکی وسعت میں ہی نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو سمجھ سکے اور اس نے ایک اندازہ لگایا ہے۔ وہ اپنی جگہ بے اختیار ہے یہ اپنی جگہ بے اختیار ہے۔ انسان کے حالات اندرونی طور پر بہت مختلف ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک معقول آدمی سارے علم کے باوجود بھی دوسرے آدمی کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ ایک پاگل کے متعلق ذکر آتا ہے کہ اس کو یہ وہم تھا کہ وہ شیشے کا ہو چکا ہے اور لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ مجھے زور سے ہاتھ نہ لگانا میں ٹوٹ جاؤں گا اور بہت ہی احتیاط سے اور ملائمت کے ساتھ گدے وغیرہ رکھ کر چیزوں پر بیٹھتا تھا اور ہر طرح سے اپنا خیال رکھتا تھا کہ میں کسی دن ٹوٹ نہ جاؤں۔ ایک ماہر نفسیات کے پاس اسے لے جایا گیا اور ماہر نفسیات یہ سمجھتے تھے کہ

ہمیں پتہ ہے یہ سب بکواس ہے، انسان کہاں ٹوٹ سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا یہ علاج سوچا کہ اچانک بہت زور سے اس کو تھپڑ مارا یہ ثابت کرنے کے لئے کہ دیکھو تم نہیں ٹوٹ گئے۔ تمہیں اپنے آپ پر اعتماد ہونا چاہئے لیکن اس کی اندرونی کیفیت اتنی نازک ہو چکی تھی کہ اس کے منہ سے چھن چھن کی آواز نکلی اور وہ وہیں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے گر کر مر گیا۔ اس کو اتنا یقین تھا کہ میں شیشے کا ہوں کہ اس یقین کے احساس نے اس کا دل بند کر دیا۔

پس انسانی حالات کے مختلف تقاضے ہیں جن میں باریک فرق ہیں کہ کوئی دوسرا انسان خواہ کسی فن کا ماہر کیوں نہ ہو نہ اس کی وسعتوں کا پتہ کر سکتا ہے اور نہ اس کی ضرورتوں کا اندازہ کر سکتا ہے صرف اللہ ہی ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ پس اس پہلو سے اس میں ایک بڑی بھاری تبشیر ملتی ہے اور وہ ذمہ داریاں جو خدا ڈالتا ہے ان کے متعلق تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے اہل ہیں۔ تبشیر کا یہ پہلو جب انسان کو مزید غور پر متوجہ کرتا ہے تو پھر ایک خوف کا اثر آہستہ آہستہ غالب آنے لگتا ہے۔

مثلاً جماعت احمدیہ ہے۔ جماعت احمدیہ کی ذمہ داری کیا ہے جو خدا تعالیٰ نے ڈالی ہے: تمام دنیا کو مسلمان بنانا، تمام ادیان باطلہ پر اسلام کو غالب کرنا اور اس انسان کی تقدیر کو بدل دینا جس کے متعلق خدا فرماتا ہے وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ (العصر ۲،۳) زمانہ کی قسم زمانہ گواہ ہے کہ یہ انسان لازماً گھاٹا کھانے والا ہے۔ اپنے سود و زیاں کا تو انسان کو پورا ہوش نہیں ہوتا سارے زمانہ کے زیاں کو سود میں بدل دینا سارے نقصان کو فائدہ میں تبدیل کر دینا یہ ذمہ داری ہے جو ہم پر ڈالی گئی ہے۔ ایک طرف یہ آیت تبشیر بھی کر رہی ہے دوسری طرف جب انسان اپنی کمزوریوں پر نگاہ ڈالتا ہے یعنی بے بسی اور بے اختیاری کو دیکھتا ہے، کام کے بے شمار ہجوم نظر آتے ہیں اور دنیا کا واقعاتی جائزہ لیتا ہے تو انسان سمجھتا ہے میں اس کا بالکل اہل نہیں ہوں، مجھ میں کہاں طاقت ہے کہ میں کسی ایک ملک کو بھی بدل سکوں۔ صرف ایک ہندوستان پر ہی اگر جماعت احمدیہ اپنی تمام توجہ مبذول کر دے تو جہاں تک دنیا کے حالات کا تعلق ہے اور جہاں تک ہمارے ذرائع کا تعلق ہے ہم ایک صوبے کے ہندوؤں کو بھی بظاہر مسلمان بنانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ پھر آپ دنیا کی وسعتوں پر نظر ڈالیں کتنے بڑے بڑے وسیع ممالک ہیں جو دہریہ ہو چکے ہیں وہ خدا ہی کو نہیں مانتے۔ ہم ان کی

زبانیں نہیں جانتے ، ان کے خیالات سے واقف نہیں ہیں، ان کی قومی عادات سے واقف نہیں ہیں، ان تک پہنچنے کی طاقت نہیں ہے، راہوں میں Barrier اور روکیں ہیں اوراس کے باوجود دل میں یہ یقین ہے کہ خدا سچ کہہ رہا ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا، ہم پر جو بوجھ ڈالا ہے وہ ہم اٹھانے کے اہل ہیں، لیکن کیسے؟ اب آسٹریلیا کا سفر درپیش ہے اور اسی سلسلہ میں غور کرتے ہوئے میری توجہ مبذول ہوئی کہ آسٹریلیا ایک براعظم ہے جس کو آج تک کسی غیر مذہب نے فتح نہیں کیا۔ عیسائیت نے وہاں Aborigines میں کچھ نفوذ کیا لیکن جو عیسائی وہاں آباد ہوئے آج تک کسی نے ان کے قلوب کو فتح نہیں کیا اور ایک بڑی قوم ہے ایک بہت بڑا پھیلا ہوا براعظم ہے اور وہاں ہم ایک مشن کی تعمیر کرنے کے لئے جا رہے ہیں اور ایسی ایک دنیا نہیں ایسی سینکڑوں دنیائیں ہیں جہاں ابھی تک ہم کوئی نفوذ نہیں کر سکے۔ فجی ہے جو بظاہر ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے لیکن اب تک کی کوششوں کے نتیجہ میں پانچ ہزار کے لگ بھگ وہاں احمدی ہیں اور اس میں لاکھوں کی آبادی ہے۔ وہاں Aborigines تو نہیں لیکن قدیم باشندے جو افریقن ممالک سے ہجرت کر کے آئے تھے ان کی ایک بھاری تعداد ہے، ہندو بھی وہاں بھاری تعداد میں موجود ہیں اور آسٹریلیا کو تو چھوڑیئے فجی میں بھی ان سب کو مسلمان بنانا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ پھر سیلون ہے وہاں کے حالات یہ ہیں کہ بدھسٹ اکثریت میں ہیں اور ان بدھسٹ میں آج تک ہم نفوذ نہیں کر سکے۔ ہماری وہاں جو تبلیغ ہوئی ہے وہ زیادہ تر ہندوستانی نسل کے باشندوں میں ہوئی ہے۔ وہی ہیں جن میں احمدیت نے کسی طرف سے راستہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان میں سے کچھ لوگ احمدی ہوئے لیکن باقی جو بدھسٹ لوگ ہیں اور یہ دراصل بدھسٹ کا ملک ہے ان کی غالب اکثریت ہے۔ ان میں شاذ کے طور پر احمدی ہوئے ہیں لیکن بحیثیت قوم کے انہوں نے قبول نہیں کیا۔ وہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے اس جزیرہ پر بھی ہم اسلام کو پوری طرح غالب کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے جہاں تک اپنے ظاہری حالات کے جائزہ کا تعلق ہے۔

پس یہ مضمون سوچتے ہوئے میری توجہ اس طرف مبذول ہوئی کہ وسعتیں کہیں ایسی تو نہیں جن کو ہم نے ابھی کھنگال کر دیکھا نہ ہو، ایسی وسعتیں تو نہیں جن کو ہم نے ابھی تک دریافت نہ کیا ہو۔ خدا کی بات تو بہر حال درست ہے کہ ہمارے اندر وسعت موجود ہے لیکن اگر Untapped Resources پڑی رہیں، اگر انسان جو کچھ خدا تعالیٰ نے اسے ودیعت کیا ہے اس سے پوری طرح استفادہ نہ کرے

تو پھر انسان تو جھوٹا ہوگا خدا جھوٹا نہیں ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہماری کچھ وسعتیں ایسی ہیں جن کو ہم نے پوری طرح ٹٹولا نہیں اور ٹٹولنے کے بعد محسوس کر کے ان پر ذمہ داری کی کاٹھی نہیں ڈالی، ان کی تربیت نہیں کی خدا کی راہ میں خدمت کے لئے پیش کرنے کی۔ جب تک ہم اپنے نفس کو ٹٹول کر اس کی صلاحیتوں کی تربیت نہ کریں وہ اس لائق نہیں ہے کہ اسے خدا کے حضور پیش کیا جا سکے اس لئے انفرادی طور پر بھی اور جماعتی طور پر بھی میں نے نظر ڈالی تو بے شمار وسعتیں ہیں جن سے استفادہ نہیں کیا جا رہا۔ ہر احمدی اگر اپنی ذات پر غور کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جو طاقتیں ودیعت کی ہیں ان سے وہ پورا استفادہ نہیں کر رہا اور خصوصاً دین کے معاملہ میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ وہ اپنے بچوں کی تربیت نہیں کر رہا، اپنی بیوی کی تربیت کا حق ادا نہیں کر رہا وہ طاقتیں جو خدا نے اسے دی ہیں انہیں ضائع کر رہا ہے۔ کھیل کود اور لہو ولعب میں اپنی جائز ضرورت سے بڑھ کر خرچ کرتا ہے۔ کچھ تو انسان کا تفریح کا حق ہے وہ اس کی بناوٹ میں داخل ہے لیکن کچھ اس سے زائد ہوتا ہے اور جب قومیں تفریح کے حق سے بہت زیادہ وقت خرچ کرنے لگ جائیں تو وہ اپنی قوتوں کو ضائع کر رہی ہوتی ہیں۔ پھر بہت سی ایسی زبانیں ہیں جو دین کی خاطر گھر بیٹھے سیکھ سکتے ہیں بہت سا علم ہے دین کا جو آپ پڑھا سکتے ہیں، اس کی طرف پوری توجہ نہیں۔ عبادت ہے اس کی طرف پوری توجہ نہیں، جتنا کہ حق ہے ویسی ہونی چاہئے۔ غرضیکہ آپ اپنی نظر کو پھیلاتے چلے جائیں تو ہر انسان کے اندر آپ کو ایسے بے شمار گوشے نظر آئیں گے جہاں اللہ تعالیٰ نے وسعتیں تو عطا فرمائی ہیں لیکن ان وسعتوں سے ہم پورا فائدہ نہیں اٹھا رہے اس لئے جب جماعت کی ایک اجتماعی شکل بنتی ہے تو ایسے بکثرت احمدی جماعت میں شامل ہیں جن کی وسعتوں میں سے ایک تھوڑا سا حصہ جماعت کو ملا ہوا ہے اور پھر جماعت کی جو اجتماعی شکل بنتی ہے اس میں تمام ذمہ دار کارکنان جو جماعت میں شامل ہیں یا جن پر بوجھ ڈالے جاتے ہیں وہ آگے پھر اپنی ذمہ داریاں پوری طرح ادا نہیں کرتے اور اپنی وسعتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ایسے مربیان بھی ہیں، بیرونی ممالک کے مبلغین بھی ہیں، دفتروں میں کام کرنے والے بھی ہیں، اگر وہ اپنے آپ کو ٹٹولنا شروع کریں تو محسوس کریں گے کہ ابھی وہ بہت کچھ اور بھی کر سکتے تھے لیکن نہیں کر سکے یا نہیں کیا۔ تدبر کی باتیں دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو تدبر کا ایک ملکہ عطا فرمایا ہے، فکر کا ملکہ عطا فرمایا ہے اور مسائل کو جانچنا اور ان میں تدبر کرنا اور فکر کے نتیجہ میں نئی نئی راہیں تلاش کرنا یہ انسان

کی فطرت میں ودیعت ہے لیکن اس پہلو سے بھی ہر وقت ایک احمدی کا جماعتی مسائل میں منہمک ہونا یہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ بسا اوقات اکثر احمدی اپنے دنیاوی اور گھریلو مسائل میں تو الجھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن بہت کم ہیں جو دن رات اس فکر میں غلطاں ہوں کہ دین کا کیا بنے گا، ہم اپنی ذمہ داریاں کیسے ادا کریں گے، کاموں کو آسان کرنے کے کیا ذرائع ہیں، ہم کس طرح تھوڑی کوشش کے ساتھ زیادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ بھی ساری Untapped Resources پڑی ہیں لیکن میں نے یہ سب کچھ سوچا اور اندازہ لگایا اس کے باوجود میرے دل کا دیانت دارانہ فیصلہ یہ تھا کہ اگر سارے احمدی اپنی ساری طاقتیں بھی جھونک دیں تب بھی یہ ذمہ داری ادا نہیں کر سکتے۔ ہماری بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ جہاں ہمارے دائرے پھیل رہے ہیں وہاں اندرونی ذمہ داریاں بھی مزید پیدا ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اگلی نسلوں کی تربیت کے مسائل ہیں، ان میں پیغام کو زندہ رکھنے کا سوال ہے۔ ایک نیکی پر قائم ہو کر پھر اسے چھوڑنے کا جو رجحان قوموں میں ملتا ہے، تن آسانی کا رجحان ملتا ہے، یہ بھی ایک بڑی خطرناک چیز ہے۔

پس جہاں دائرے پھیلتے جاتے ہیں وہاں اندرونی تربیت کے معاملات بھی زیادہ سنگین نوعیت اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ پھر تیزی کے ساتھ اگر آپ پھیلنا بھی شروع کر دیں تو ان کی تربیت کے اتنے خطرناک مسائل سامنے آئیں گے کہ اگر ہمارے اندر ان نئے آنے والوں کی تربیت کی پوری اہلیت نہ ہوئی تو جس تیزی کے ساتھ وہ آئیں گے اس تیزی کے ساتھ احمدیت کو بگاڑنے لگ جائیں گے، اسی تیزی کے ساتھ دین کو نقصان پہنچانے لگ جائیں گے۔ پس ان پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ قرآن کریم سے انسان ہدایت نہیں پا سکتا جب تک تقویٰ کے ساتھ ہدایت کی تلاش نہ کرے اور تقویٰ یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم کی کوئی بات سمجھ آئے یا نہ آئے تم کہہ دو کہ ہاں سمجھ آ گئی۔ تقویٰ یہ ہے کہ جس بات کی سمجھ نہیں آئی اس حد تک تسلیم کرے کہ ہاں ہمیں سمجھ نہیں آئی۔ میرے نفس نے بڑی دیانت داری کے ساتھ فیصلہ کیا ہے کہ جہاں تک احمدیت کی وسعت کا تعلق ہے ہر فرد اور جماعت کی اندرونی طاقتوں کے مجموعہ کا نام ہی جماعت کی وسعت ہے۔ اس وسعت پر اگر ہم نظر ڈالیں تو ہم ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے اہل نہیں ہیں جو ذمہ داریاں تمام دنیا میں اسلام کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ہمارے کندھوں پر ڈالی گئی ہیں۔ اسلام کی تبلیغ کے لئے،

اس کے نفاذ کے لئے اور اسے زندگی کا ایک نا قابل تقسیم جز و بنا دینا یہاں تک کہ وہ نسلاً بعد نسلٍ فطرت ثانیہ کے طور پر لوگوں کی رگوں میں جاری ہو جائے ، یہ ہے اسلام کی تبلیغ کا بنیادی تقاضا جسے ہم نے پورا کرنا ہے اور ہم اس کے اہل نہیں ہیں۔

پھر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ توجہ مبذول کراتا ہے اور فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا تمہارے اندازوں میں کوئی غلطی ہوگی ، ہوسکتا ہے بعض وسعتیں تم نے دیکھی نہ ہوں ، پھر نظر دوڑاؤ ، پھر تلاش کرو ، عین ممکن ہے کہ کچھ ایسی وسعتیں ہوں جن پر تم نے نظر نہ ڈالی ہو۔ اس پہلو سے جب میں نے دوبارہ غور کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ انسان کی وسعتیں صرف اس کی ذات تک یا اس کی جماعت تک محدود نہیں ہوا کرتیں بلکہ اس کے تعلقات اور اس کی دوستیاں بھی تو وسعتوں میں شامل ہوا کرتی ہیں ۔ ایک چھوٹا سا ملک اگر ایک بڑے ملک کا دوست ہو تو کیسی جرأت سے آنکھ اٹھا کر بڑی بڑی طاقتوں کو چیلنج کرتا ہے۔ کہتا ہے تم مجھے نہیں مٹا سکتے اس لئے کہ فلاں ملک میری پشت پناہی کر رہا ہے۔ غالبؔ نے بھی تو کہا ہے کہ

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگر نہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے

(دیوان غالب صفحہ ۳۴۴)

تو انسانوں کی آبروئیں اور طاقتیں ان کی دوستیوں کے ساتھ بدلتی ہیں۔ ان کے تعلقات کے دائرے جتنے وسیع ہوں اتنی ان کی وسعتیں پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ تو لازماً اس سمت میں کوئی حل ہے جس کی طرف ہمیں توجہ کرنی چاہئے ۔ معاً دیکھا کہ اگلی آیت یہی سکھا رہی ہے۔ اس کے معاً بعد دعا کا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا

اے خدا! ہم تو بالکل بے کار اور نا کارہ لوگ ہیں ہماری وسعتوں میں تو نے اپنا تعلق داخل کر دیا تبھی ایسے عظیم الشان کام ہمارے سپرد کر رہا ہے جو ناممکن ہیں ، انسان کی بساط میں نہیں ہے کہ ان کو پورا کر سکے ۔ تو جب تک ہمارا دوست ہے ہماری وسعت ہے جب تو نے تعلق توڑ دیا تو ہماری کوئی بھی وسعت نہیں اور جب خدا خود ذمہ داریاں ڈالتا ہے تو اس وجود ،قوم کی وسعت میں جس پر ذمہ داریاں

ڈالتا ہے اپنے تعلق کو بھی شامل کر لیتا ہے۔ ورنہ تو ناممکن ہے کہ وہ کام کیا جاسکے۔ اس پہلو سے معاً بعد آنے والی دعا نے سکھا دیا کہ دراصل ہماری وسعتیں ہمارے خدا میں ہیں، ہماری تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہمارا خدا ہے اور جتنا زیادہ گہرا تعلق ہم اپنے رب سے کریں گے ہماری وسعتیں پھیلتی چلی جائیں گی اور چونکہ اس کی طاقتیں لامتناہی ہیں اس لئے بلا شبہ ہماری وسعتیں بھی لامتناہی ہیں۔ یہ ہم پر منحصر ہے کہ اپنے تعلق کو کس حد تک بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اگر خدا کی ذات میں اپنے وجود کو مدغم کر دیں، اگر اپنا کچھ بھی نہ رہنے دیں، نہ اپنی تمنائیں اپنی رہیں، نہ اپنی خواہشات نہ اپنی محبت اور نہ نفرتیں کچھ بھی اپنا نہ رہے تو پھر ہماری وسعتیں ہمارے خدا کی وسعتیں بن جائیں گی اور اس کے آگے کوئی بھی چیز انہونی نہیں اور کوئی بھی چیز مشکل نہیں ہے۔ وہ جو کُنۡ فَیَکُوۡنُ کا مالک خدا ہے اس کے تعلق کے بعد انسان کیسے وہم کر سکتا ہے کہ میری حیثیت چھوٹی ہے اور میری وسعتیں محدود ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے معاً بعد دعا سکھا کر (اور پھر دعا میں ان تمام باریک پہلوؤں کو روشن کر دیا جو اس مضمون سے گہرا تعلق رکھتے ہیں) حوصلہ دے دیا ہمیں، سبق بھی دیا، وہ راستہ دکھا دیا جس راستے پر چل کر ہماری طاقتیں پھیلتی چلی جائیں گی اور وسیع تر ہوتی چلی جائیں گی چنانچہ فرمایا:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا

اے خدا! انسان طاقتیں ضائع بھی کر دیتا ہے۔ جو کچھ حاصل ہے اس سے بھی تو پورا استفادہ نہیں کر سکتا اور وسعتوں میں سے وہ حصہ منفی ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ دو طریق پر ہے بعض دفعہ بھول چوک کے ذریعہ، بعض دفعہ خطاؤں کے ذریعہ تو ہماری پہلی درخواست تو یہ ہے کہ ہمیں یہ توفیق عطا فرما کہ جو ہماری وسعتیں ہیں ہم ان سے تو پورا فائدہ اٹھائیں۔ خطائیں کی ہیں تو معاف فرما دے۔ خطاؤں کی جو سزائیں مقرر ہیں یا خطاؤں کے جو طبعی نتائج تو نے مقرر فرمائے ہوئے ہیں ان سے ہمیں نجات بخش اور ایسی توفیق عطا فرما کہ آئندہ خطائیں نہ کریں۔ اگر خطائیں ہو بھی جائیں تو کم سے کم ہوں اور اسی طرح ہمارے بھول چوک کے مضمون میں بھی تو داخل ہو جا اور بھولی ہوئی چیزوں کے بدنتائج سے محفوظ فرماتا چلا جا پھر فرمایا: رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا یہ کہنے کے بعد ہماری توجہ گزشتہ قوموں کی طرف مبذول کروا دی۔ فرمایا یہ پہلی دفعہ تو واقعہ نہیں ہوا کہ خدا نے کسی قوم کے سپرد ایک ذمہ داری کی ہے اور پہلی دفعہ یہ واقعہ نہیں ہوا کہ خدا توقع رکھتا ہے کہ تم

اس ذمہ داری کو ادا کرو گے۔ انسان کی ماضی پر نگاہ پڑتی ہے تو بہت سی قومیں نظر آتی ہیں جنہوں نے ان ذمہ داریوں کو کماحقہٗ ادا نہیں کیا یا ادا کرنے کے بعد بہت جلد بھلا دیا اور خدا تعالیٰ نے جو نعمتیں دی تھیں ان کو لعنتوں میں تبدیل کر دیا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ماضی کے انسان سے بھی سیکھو۔ تمہاری کچھ وسعتیں ایسی ہیں جو ماضی میں بھی پھیلی پڑی ہیں، کچھ کمزوریاں تم نے پرانی قوموں سے ورثہ میں پائی ہیں، کچھ بدعادات ایسی ہیں جو پہلے انسان میں پیدا ہوتی رہی ہیں اس طرف بھی توجہ کرو۔ صرف اپنی کمزوریوں سے بخشش کی یا نجات کی دعائیں نہ کرو، سابقہ قوموں کی غلطیوں سے بھی بخشش اور نجات کی دعائیں کرو۔ یہ ابھی تک منفی مضمون چل رہا ہے۔ فرمایا کہ دیکھو! پہلے ایسی قومیں تھیں جن کے بداثرات ورثہ میں چلے جاتے ہیں ان بداثرات سے بچنے کی کوشش کرو، ان غلطیوں سے عبرت حاصل کرنے کی کوشش کرو اور یہ کام بھی دعا کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ فرمایا دعا کرو: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ اب اس مضمون میں داخل ہونے کے بعد بظاہر ایک تضاد نظر آتا ہے۔ ابھی تو خدا تعالیٰ فرمار ہا تھا کہ:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

خدا کسی جان پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ ڈالتا ہی نہیں اور اب کہہ رہا ہے رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ یہ دعا کرو کہ اے خدا! ہماری طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالنا۔ ان دو باتوں میں تو بظاہر تضاد ہے۔ جو خدا تم سے یہ عہد کر چکا ہو ابھی ایک آیت پیچھے کہ میں ہرگز تم پر تمہاری طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالتا ہی نہیں اس پر اعتماد کیوں نہیں کرتے، اس بات پر یقین کیوں نہیں کرتے اور کیوں پھر یہ دعا کرتے ہو کہ اے خدا! ہم پر ہماری طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالنا۔

یہ جو مضمون ہے اس میں بعض لطیف حکمتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ انسان کی طاقتوں اور وسعتوں میں ایک فرق ہے اور جب آپ وسعت اور طاقت کو ہم معنی بنائیں تو وہاں یہ اعتراض اٹھتا ہے۔ جہاں اس فرق کو ملحوظ رکھ لیں وہاں یہ اعتراض نہیں اٹھتا۔ مثلاً ایک بچہ ہے اس کی وسعت میں یہ بات داخل ہے کہ جب وہ اپنی Peak (یعنی اپنے عروج) کو پہنچے گا تو ایک عظیم الشان پہلوان بنے گا اگر اس نے پہلوان بننا ہو، اگر مثلاً اس نے دنیا کا سب سے بڑا ویٹ لفٹر

یعنی بوجھ اٹھانے والا بننا ہوتو اس کی وسعت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ ایک زمانہ میں جا کر بوجھ اٹھانے کے میدان میں بہت ہی عظیم الشان پہلوان ثابت ہوگا اور ایسا ریکارڈ قائم کرے گا کہ دنیا میں پھر کوئی اسے توڑ نہیں سکتا لیکن اس کی طاقت میں یہ بات داخل نہیں کیونکہ بچہ ابھی اس وسعت تک پہنچا نہیں ہے ابھی اس مقام سے پیچھے ہے اس کی طاقت میں تو ابھی یہ بات داخل ہے کہ آپ ہاتھ پکڑ کر چلائیں ورنہ گر پڑے گا اپنا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکتا۔

پس خدا تعالیٰ نے انسان کے ذہن کو ایک عظیم الشان مضمون میں داخل کر دیا اور فرمایا کہ دیکھو! وسعتیں تو تمہاری بہت ہیں لیکن تمہیں ان وسعتوں کا قرینہ بھی تو ہم ہی سکھائیں گے، تمہاری طاقتوں کو رفتہ رفتہ ہم ہی بڑھائیں گے۔ تم یہ دعائیں کرو کہ اے خدا! تیری تقدیر ہم سے اچانک مشکل کاموں کا سامنا نہ کرادے جو ہماری وسعت میں تو ہیں لیکن ہم نے اپنی غفلتوں کے نتیجہ میں ابھی تک حاصل نہیں کئے۔

یہاں یہ مضمون پھر دوشاخہ مضمون بن جاتا ہے اس لئے تحمل اور غور سے ہمیں آگے بڑھنا پڑے گا۔ خدا تعالیٰ وسعت اور طاقت کے مطابق بوجھ ڈالتا ہے یہ درست ہے اور خدا تعالیٰ سے ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ ہماری طاقتوں سے بڑھ کر ہم پر بوجھ نہ ڈال لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری طاقتیں اور ہماری وسعتیں ایک منزل پر اکٹھی ہو جائیں۔ اگر ہم نے ذمہ داری ادا کی ہوتو ہمیں اس وقت اپنی وسعتوں کے اندر رہتے ہوئے ایک خاص طاقت لینی چاہئے۔ یہ بھی تو ایک واقعہ ہے جو انسانی زندگی میں گزرتا ہے۔ اس کو مزید سمجھانے کی خاطر میں مثال دیتا ہوں کہ ایک انسان اگر دوڑنا شروع کرے اور اپنی طاقتوں سے فائدہ اٹھانا شروع کرے تو اس کے جسم میں نشو ونما پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اور ایک انسان اگر لیٹا رہے اور آرام طلب بن جائے تو بعض دفعہ وہ دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔ اگر ان دونوں کو سمجھا دیا گیا ہو کہ تمہاری یہ ذمہ داریاں ہیں اور فلاں وقت ہم نے تمہیں فلاں سفر پر روانہ کرنا ہے تو وہ شخص جو لیٹا رہا اور اس نے اپنی طاقتوں کو ضائع کر دیا اس وقت وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے طاقت نہیں ہے۔ اس پر بات خوب کھول دی گئی تھی، ذمہ داریاں بیان کر دی گئی تھیں اس لئے اس کی وہ طاقت ہونی چاہئے تھی اور اگر اس پر کوئی اس وقت ذمہ داری ڈالے تو نا انصافی نہیں ہوگی۔

پس بسا اوقات یہ ہوسکتا ہے کہ ہماری وسعتوں کے اندر ایک چیز ہو اور ایک خاص وقت کی

منزل پر جا کر ہمیں جو خدا تعالیٰ نے خوب کھول کر ہماری ذمہ داریوں کو بیان فرما دیا ہے اس وقت پر جا کر ہم پر وہ بوجھ پڑنا ہو لیکن اپنی غفلت اور اپنی نالائقی کے نتیجہ میں ہم نے اپنی وہ طاقت Develop ڈویلپ نہ کی ہو۔ ایسے موقع پر اگر خدا وہ بوجھ ڈالے تو یہ ناانصافی نہیں ہوگی۔ وسعت کے مطابق بھی ہوگا اور اس طاقت کے مطابق بھی ہوگا جو ہونی چاہئے تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے اس مضمون کو ہمارے ذہنوں میں داخل فرمایا اور ہماری توجہ اس طرف مبذول فرمائی کہ تم ہر قدم پر ایک کمزور چیز ہو۔ نہ اپنی وسعتوں سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہو نہ اپنی طاقتوں سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہو اس لئے پھر تمہاری وسعتوں میں دعا داخل نہیں ہوگی تو تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے، عجز داخل نہیں ہوگا تو تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ اس لئے یہ بھی ہم سے مانگنا اور یہ عرض کیا کرنا کہ اے خدا! ہماری طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈال یعنی جس منزل پر چاہے ہماری غفلتیں بھی حائل ہوگئی ہوں جس منزل پر جو طاقت ہے تو اتنا رحم فرمانا کہ اس سے زیادہ بوجھ نہ ڈال دینا ورنہ ہم مارے جائیں گے۔ ہوسکتا ہے اس سے زیادہ طاقت ہمیں حاصل کرنی چاہئے تھی لیکن ہم نہیں کر سکے۔

یہ اقرار کرنے کے بعد اور یہ منت کرنے کے بعد کہ اے خدا! تو عالم الغیب ہے تو جانتا ہے ہمیں کیا کرنا چاہئے تھا تمام تفاصیل پر تیری نظر ہے لیکن ساتھ ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ ہم خطا کار ہیں ہم نسیان کے بھی شکار ہیں۔ بار بار ہمیں نصیحت کی جاتی ہے پھر باتیں بھول جاتے ہیں، بار بار یاد کرائی جاتی ہیں پھر ذہن سے اتر جاتی ہیں، ذمہ داریاں دکھلا دی جاتی ہیں پھر نظر سے اوجھل ہو جاتی ہیں، ہم اتنے کمزور لوگ ہیں اس لئے ہم سے رحم کا سلوک فرما اور ہماری جو طاقت ہونی چاہئے اس پر فیصلہ نہ کرنا جو طاقت ہمیں کسی منزل پر میسر ہو اس کے مطابق ہم سے سلوک کرنا لیکن پھر ان طاقتوں کو بڑھاتے چلے جانا۔ آگے ایک مضمون آئے گا جو بالآخر بات کھول دے گا کہ ہم نے کہاں تک پہنچنا ہے اور کیا مانگنا ہے وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا۔ اے خدا! دو قسم کے معاملات ہم سے فرما۔ پہلا یہ کہ درگزر فرما۔ درگزر فرمانا اور مغفرت فرمانا ان دونوں چیزوں میں ایک نسبت ہے اور ایک کے بعد دوسرے کو رکھا گیا ہے۔ وَاغْفِرْ لَنَا اس چیز کو کہتے ہیں کہ ایک غفلت ہو رہی ہے اس سے روکا بھی جا سکتا ہے لیکن انسان اس کو لائسنس دے دیتا ہے، چھٹی دے دیتا ہے، کہتا ہے کوئی بات نہیں کر لو بے شک، کچھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ ماں باپ بعض دفعہ بچوں کو بعض کھیلیں کھیلنے دیتے ہیں جن سے ویسے

وہ منع کرتے رہتے ہیں لیکن اگر تھوڑی سی کھیل وہ کھیل لیں، ذرا سا مشغلہ کر لیں تو وہ اعراض کر لیتے ہیں، آنکھیں پھیر لیتے ہیں اور بعض دفعہ جب بچے بیہودہ حرکتیں کر رہے ہوں تو ماں باپ ان کی طرف دیکھتے نہیں، عمداً ان کی آنکھوں میں ایک غفلت سی آجاتی ہے کہ گویا ہم نے دیکھا ہی کچھ نہیں ۔اس کو کہتے ہیں وَاعْفُ عَنَّا کہ اے خدا ہم سے عفو کا سلوک فرما۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے حضرت مصلح موعودؓ کا بھی یہی طریق تھا کیونکہ انہوں نے اپنی عادتیں قرآن سے سیکھی تھی۔ بچے کبھی بعض دفعہ لڈو کھیلتے ہیں اور حضرت صاحب پسند نہیں کیا کرتے تھے کہ وقت ضائع کریں لیکن سمجھتے تھے کہ آخر بچے ہیں کبھی کبھی لڈو کھیلنے بھی دیتے تھے اوراس طرح کہ آئے ہیں اور اس طرف نظر ہی نہیں ڈالی اوپر نظر سے باتیں کر کے واپس چلے گئے گویا دیکھا ہی نہیں اور جب دیکھتے تھے کہ زیادتی کرنے لگ گئے ہیں تو پھر وہ نظر نیچے ڈالتے تھے اور ہمیں بتا دیتے تھے کہ اب میں پکڑنے پہ آیا ہوں ۔پس انسان سے اگر کوئی عفو کرنے والا سلوک کر رہا ہو تو پھر غلطیوں کا امکان اس وجہ سے بھی بعض دفعہ ہو جاتا ہے۔ بہت ہی پیار اور عفو کرنے والا وجود ہو اس کے نتیجہ میں بھی بعض دفعہ گناہوں کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں ۔اس کے نتیجہ میں بھی تو بعض دفعہ انسان جان بوجھ کر غلطیاں کرنے لگ جاتا ہے کہ بہت ہی مہربان ہے ہمارا آقا، اس لئے اے خدا جب تو عفو کا سلوک فرمائے گا تو پھر بخشش کی تیاری بھی کر لینا، ہم سے لازماً پھر کچھ اور غلطیاں بھی ہوں گی اور وَارْحَمْنَا نے بات کھول دی کہ اے خدا! دراصل بات یہ ہے کہ ہم اپنے طور پر اپنی طاقتوں پر اپنے ذرائع سے کچھ نہیں کر سکتے ہم پر رحم فرما، ہم بے کار لوگ ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ ہم بے کار لوگ ہیں ۔رحم فرما اور جو تو نے ذمہ داریاں ڈالی ہیں ان میں ہماری وسعتوں پر نگاہ نہ کر اپنی وسعت پر نگاہ فرما۔ اَنْتَ مَوْلٰنَا نے یہ بات کھول دی۔ آخری تان اس بات پر ٹوٹی کہ ہم نے مضمون اس طرح شروع کیا کہ خدا نے ہمیں سب کچھ عطا فرمایا ہے، وسعتیں عطا کی ہیں، ہم اپنے آپ کو ٹٹولیں اور دیکھیں اور اس کام میں آگے بڑھیں ۔ چنانچہ پوری ذمہ داری کے ساتھ بڑھنے لگے۔ پھر محسوس ہوا کہ سب ذمہ داریاں ادا کرنے کے باوجود بھی ہم میں طاقت نہیں، کام بہت زیادہ ہے۔ پھر نظر نے ڈھونڈا تو پتہ چلا کہ ہماری وسعتیں تو دراصل خدا کی طرف ہیں ۔اس سمت میں کھلے ہوئے ہیں راستے وسعتوں کے۔اس سمت میں آگے بڑھے تو ایک بہت ہی پیارا مضمون نظر آیا۔ ہر قدم پر مغفرت ہے، بخشش ہے، خطاؤں کی معافی ہے اور محبت اور پیار کا سلوک

ہے اور بالآخر خدا کہتا ہے کہ تم تعلق مجھ سے رکھ لو، میری طرف جھکنا سیکھ لو۔ بس یہ میں تمہیں کہتا ہوں پھر میری وسعتیں تمہاری وسعتیں ہو جائیں گی ۔ پھر تم اس مقام پر کھڑے ہو گے کہ کہو کہ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کہ اے خدا! اب بات تو یہیں ختم ہوتی ہے کہ ہمارا دوست تو ہے اور جس کا تو دوست ہو اس کے مقدر میں شکست کیسی۔ جس کو تیری طاقتیں نصیب ہو جائیں وہ کسی اور کے در سے کیوں مدد مانگے ۔ کیوں کسی اور طرف جھکے اور کہے کہ ہمارے فلاں معاملہ میں ہماری مدد کرو۔ وہ تو صرف تجھ سے مانگے گا اور اس بات پر ناز کرے گا کہ اللہ ہمارا مولا ہے لیکن اس مقام پر پہنچنے کے لئے انسان کو اپنے نفس کی تربیت کرنی پڑتی ہے اور اس مقام پر کھڑے ہونے کے لئے اپنے رب سے ایک گہری سچائی کا تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ ایک گہری محبت اور عشق کا تعلق اپنے رب سے رکھنا پڑتا ہے ورنہ خالی منہ سے مَوْلٰنَا کہہ دینے سے بات بنتی نہیں کیونکہ ولایت کا مضمون دوطرفہ ہے۔ آپ جب تک خدا کا دوست نہ بننا چاہیں یا خدا کی طرف دوستی کا ہاتھ نہ بڑھائیں خدا آپ کا مولا نہیں بن سکے گا نہ بنے گا۔

آنحضرت ﷺ اس مضمون کا شاہکار ہیں۔ سب سے زیادہ آنحضور ﷺ نے اپنے رب سے دوستی کا حق ادا کیا اور سب سے زیادہ اللہ آپ کا دوست بنا اسی لئے سورۃ محمدؐ میں جو آنحضرت ﷺ کے نام پر ہے خدا تعالیٰ نے اس مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۲﴾ (محمدؐ:۱۲)

کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نے تمہیں یہ مضمون سکھا دیا ہے اَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اللہ ایمان لانے والوں کا مولا بن جاتا ہے ۔ وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ اور جو انکار کرنے والے ہیں ان کا کوئی مولا ہی نہیں ۔ تو مولا والے ہی فتح پائیں گے ان لوگوں پر جن کا مولا کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے فرمایا یہ دعا کرو کہ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کہ تو ہمارا مولا بن چکا ہے اور کافروں کا مولا کوئی نہیں اس لئے لازمی نتیجہ نکلنا چاہئے کہ ہمیں فتح نصیب ہو۔ مثلاً جنگ بدر میں آنحضرت ﷺ کو مدد کی بڑی شدید ضرورت تھی ۔ ۳۱۳ کمزور صحابہؓ جن کے پاس ہتھیار بھی پورے نہیں ان میں بیمار اور بوڑھے بھی تھے اور بچے بھی شامل تھے جو ایڑیاں اٹھا اٹھا کر جوان بن کر بیچ میں

داخل ہوئے تھے لیکن ایڑیاں اٹھانے سے تو قد اونچے نہیں ہو جایا کرتے اور نہ انسان جوان ہو جاتا ہے۔اس کمزوری کی حالت میں عرب کا ایک مشہور پہلوان جوفنون حرب کا چوٹی کا ماہر سمجھا جاتا تھا وہ آیا اور اس نے کہا کہ میں بھی مسلمانوں کی طرف سے شامل ہو کر اہل مکہ کے خلاف لڑنا چاہتا اس کی کچھ دشمنیاں تھیں جو اتارنا چاہتا تھا۔اب وہ شخص جس نے خدا کو مولا نہ بنایا ہو وہ شخص جس کا کامل توکل اپنے رب پر نہ وہ یہ جواب دے ہی نہیں سکتا جو حضرت محمد مصطفی ﷺ نے دیا۔آپ ؐ نے صحابہؓ سے فرمایا اس کو واپس کر دو مجھے خدا کے معاملہ میں کسی مشرک کی ضرورت نہیں ہے۔(مسلم کتاب الجھاد باب کراھیۃ الاستعانۃ المشرک)۔کتنی شدید ضرورت تھی ،عام حالات میں انسان خوش ہو جاتا ہے الحمدللہ ایک مددگار مل گیا ہے اور نفس یہ بھی بہانہ بنالیتا ہے کہ خدا نے بھیجا ہے،عین ضرورت کے وقت چیز آئی ہے خدا نے بھیجی ہوگی لیکن وہ کامل موحد جو توکل کے مضمون کو جانتا تھا جو جانتا تھا کہ خدا کے سوا میرا کوئی مولیٰ نہیں ہے،اس نے یہ جواب دیا کہ نہیں مجھے کسی مشرک کی ضرورت نہیں۔

یہ وہ مضمون ہے جس تک پہنچنے کے لئے سچائی کی ضرورت ہے تقویٰ کی ضرورت ہے سچے دل سے آپ اپنے رب کے بنیں گے تو وہ مولیٰ بنے گا۔اگر منہ کی باتیں ہوں گی تو نہیں بنے گا۔دوستی کے حق ادا کرنے کوئی مشکل نہیں ہیں۔خدا سے پیار کا تعلق بڑھانا پڑے گا اور یہ آسان منزلیں ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا یہ ساری دعائیں ہمیں بتا رہی ہیں یہ نہایت ہی آرام دہ سفر ہے۔عفو سے مغفرت میں آپ داخل ہوئے پھر رحم میں داخل ہو گئے اور آخر پر مولیٰ کہہ کر سارا بوجھ ہی خدا پر ڈال دیا اس سے زیادہ بھی کوئی آسان سفر ہو سکتا ہے لیکن بدقسمت ہے انسان جو یہ سفر بھی اختیار نہیں کرتا۔ اس میں جذبات کا رخ خدا کی طرف موڑنا پڑتا ہے، سچے پیار کا تعلق اپنے رب سے پیدا کرنا پڑتا ہے، اس سے سچی محبت کرنی پڑتی ہے،اس کو اپنے وجود پر غالب کرنا پڑتا ہے جب تک یہ باتیں نصیب نہ ہوں اس وقت تک یہ سفر بظاہر آسان ہونے کے باوجود بھی انسان اختیار نہیں کر سکتا اس لئے اپنی ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھیں۔بے انتہا کام ہیں ناممکن ہے کہ جماعت اپنی ان طاقتوں سے جو بظاہر اس کی سرشت میں خدا کے علاوہ ہیں ان طاقتوں کے ذریعہ وہ دنیا میں ان ذمہ داریوں کو ادا کر سکیں۔نوے سال ہو گئے ،اس ملک میں یا اس برصغیر میں جماعت کو قائم ہوئے اور اپنی طاقتیں جن میں خدا کے بہت سے فضل شامل ہیں وہ ملا کر بھی آج ہماری یہ کیفیت ہے کہ اس ملک میں ہمیں اپنے آپ کو

مسلمان کہنے کا حق نہیں دیا جا رہا۔ تو اگر بنا رکھیں گے اپنی طاقتوں پر تو کچھ بھی نہیں کر سکیں گے اس لئے ہمیں اپنے رب کی طرف زیادہ متوجہ ہونا پڑے گا۔ زیادہ پیار اور محبت کا تعلق پیدا کرنا پڑے گا۔ جتنی کثرت کے ساتھ اہل اللہ پیدا ہوں گے ہم ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہوتے چلے جائیں گے۔ مولا کے مقابل پر اللہ نے ولی کا لفظ رکھا ہے۔ بندوں کے لئے اس کے مقابل پر ولی کا لفظ آتا ہے۔ خدا ان کا مولا ہوتا ہے جو اپنے رب کے ولی ہوتے ہیں اس لئے آپ کو ولی ہونا پڑے گا۔ آپ میں سے ہر ایک ایسا ہو کہ اسے یقین ہو کہ خدا میرا دوست ہے اور وہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔ اگر یہ ہو جائے تو پھر آپ دیکھیں کہ سارے کام خود بخود کس تیزی سے ہونے لگیں گے، ہماری الٹی بھی سیدھی ہو جائیں گی، ہماری خطائیں بھی نیک نتائج پیدا کریں گی، ہمارے نسیان بھی ان لوگوں سے زیادہ عظیم الشان کام دکھائیں گے جو اپنے فرائض کو بھولتے نہیں ہیں، ہماری ہر بات سیدھی ہوتی چلی جائے گی کیونکہ ہمارا مولا اللہ ہوگا اور جن کا مولا اللہ ہو جائے ان کو لازماً کافروں پر فتح عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴/ستمبر ۱۹۸۳ء)